

ڈاکٹر تیرتھ رام رینا کے مرتبہ رشید حسن خاں کے خطوط

ظفر حسین ظفر ☆

رشید حسن خاں و سعیج مطابعے، عیسیٰ مشاہدے اور علمی ریاضت کے باعث میدان تحقیق و مدویں میں نمایاں مقام کے حاصل تھے۔ گھر کے نیچے نظر ماحول کے باعث وہ بچپن ہی میں مدرسے کی تقلید زدہ فضائل میں مقید کر دیے گئے۔ ان کی آزاد طبیعت کو تقلید کی یہ روشن راس نہ آئی کیون کہ ”تحقیق“، کوت و عدم تقلید ہی راس آتی ہے۔ ایک سلیف میڈ، مل کر کھل سلیف میڈ کی طرح، انہوں نے اپنے راستے اور منزل کا تصحیح خود ہی کیا۔ فکرِ معاش کے تقاضوں سے محبدہ برآ ہونے کے لیے وہ ایک فیکٹری میں ملازم ہو گئے۔ روایت سے بغاوت ان کی فطرت کا حصہ تھی۔ اسی ”باغیانہ“ رہجان کے باعث ”بندہ مزدور“ کے لئے اوقات کے خلاف دیگر فیکٹری ملازمین کے ساتھ احتجاج کے نتیجے میں ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔ فکرِ معاش پھر داں گیر ہوئی تو ایک مدرسے میں عربی معلم ہو گئے۔ ازان بعد ۶ راگست ۱۹۵۹ء دہلی یونیورسٹی میں معادن تحقیق کے طور پر تینات ہوئے، جہاں اپنی زندگی کے چھتیس سال ہاٹل کے ایک کمرے میں گزار کر رہا تھا۔ اسی میدان میں بھی انہوں نے اپنے لیے مشکل تر موضوعات کا اختیاب کیا۔ بعض کلاسیک کتب (فسانہ، غائب، باغ و بہار، مشویات) کے قدیم متون کی مدویں و قابل اور ہلاش و جستجو میں ان کی ریاضت اور محنت بے مثال تھی۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر رشید حسن خاں ان قدیم نسخوں کی مدویں کی جانب متوجہ نہ ہوتے، تو شاید ہی کوئی محقق ”اس بھاری پتھر“ کو چھوڑتا۔ تحقیق و مدویں متون کی مشکل سے مشکل گر ہیں کھولنا لگتا ہے، رشید حسن خاں ہی کا مقدر تھا۔ ایک مددوہ کتابت کے مرحلے میں داخل ہوتا، تو بلا توقف دوسرے پر کام کا آغاز کر دیا جاتا۔ رشید حسن خاں نے اصل مآخذ کی ہلاش میں عجلت اور سہل انجاری کو کمی قریب نہیں پہنچنے دیا۔ باغ و بہار کے ہندی مینوں کی ہلاش میں میں سال انتقال کرتے رہے۔ بالآخر وہ نجاح ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اس انتصار سے رشید حسن خاں نے چدید اردو تحقیق میں بے

☆ ڈاکٹر ظفر حسین ظفر، ایسوی ایم پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گرینجویٹ کالج کراچی را دا کوٹ۔

مثال علمی و سائنسی معیار قائم کیا ہے۔ وہ پوری زندگی تحقیق و تدوین کی وادیوں میں سرگردال رہے۔ اس پیغم جدوجہد کے نتیجے میں وہ حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود اور امیاز احمد عرشی میںے بلند پایہ تحقیقین کی صاف میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔

حق گوئی (بعض اوقات گستاخی کی حد تک) اور خودواری (اٹا کی بلندیوں کو چھوٹی ہوئی) اور اکثر معاصرین کے خلاف طفر کے تیر و نتر چلانے کے باعث، رشید سن خاں کے حریفوں کی تعداد بھی قابلِ نحاظ تھی۔ اس حریفانہ کشاکش کے باعث رشید سن خاں اکثر پریشان اور مغموم بھی رہے لیکن اپنی خواہ اور وضع بدلتے پر بھی تیار رہے ہوئے۔ لکھتے ہیں:

”میں اپنی زندگی میں اس قدر بے چارگی اور بے کسی کے احساس سے اس سے پہلے بھی دوچار نہیں ہوا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ جی لوگ کام کرنا ضرور ہے، بل کہ کام کرنا ہی بے کار ہے۔“ ۲

اہل خانہ سے بے نیازانہ روئیے نے بھی انھیں پریشان رکھا۔ انھوں نے ساری زندگی دہلی کے ایک ہائل میں گزاری، یوں بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دے سکے۔ اس کلک کا عکس بھی ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ لکھتے ہیں:

”جس عافیت کی ہم کو، آپ کو علاش رہتی ہے، وہ شاید بھی نہیں مل سکے گی، کام انھی عافیت آشوب حالات میں کرنا ہے۔“ ۳

رشید سن خاں کے ماحول کا حلقة بھی ہندوستان اور اس کے باہر پھیلا ہوا ہے، جن کے ساتھ ان کے تعلقات کی گہرائی اور خلوص کا اندازہ زیرِ نظر خطوط کے مطابعے سے ہوتا ہے۔ ان کے ایک شاگرد اور صاحبِ ذا اکٹرائی۔ آر۔ رینا (مہنون) نے بہت محنت اور جاں فشائی سے ۵۹ میساہیر کے نام ان کے خطوط کا جمود شائع کیا ہے۔ ہندوستان اور بیرون میں پھیلے ہوئے، خاں صاحب کے دستیح حلقة، احباب کے خطوط کی سمع آوری ایک صبر آزمایا کام تھا، جسے رینا صاحب نے باکمال طریقے سے انجام دیا۔ ۱۰۵۶ صفحات پر مشتمل خطوط کا یہ مجموعہ، جس میں ۱۵۹ اہل قلم کے ۱۰۳۸ خطوط شامل ہیں، تحقیق، تقدیم اور الملا سے دفعہ پر رکھنے والے اہل علم اور طالب علموں کے لیے ایک نادر چیز ہے۔ تحقیق و تدوین متن کے لیے ان خطوط میں بہت سے رہنمایا صول دیے گئے ہیں۔ رشید سن خاں الملا کے جدید اصولوں اور قواعد کی تفہیم کے حوالے سے ایک نئے مکتب فکر کے داعی ہیں۔ ان کی جانب سے برتبے گئے سب الفاظ کی الملا کو ہبہ قبول کرنا آسان نہیں ہے۔ اختلاف کی گنجائش موجود ہے، جس کے وہ خود قائل ہیں:

”علمی مسائل میں کچھ اتفاق نہیں ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ یاد رکھیں اختلاف علمی روایت کا حصہ ہے۔ یہ رہے گا لیکن ایک بات واضح رہنا چاہیے کہ ایک ہوتی ہے غلطی اور ایک ہوتا ہے اختلاف۔ غلطی کے بجائے تعمیر و تاویل کا فرق ہوتا ہے۔ اختلاف کو غلطی نہیں مانتا چاہیے۔“ ۴

تحقیق کمرے اور کھونے کے درمیان فرق روا رکھنے کا نام ہے۔ ملاوٹ، منافقت، مصلحت اور ملتعق کاری اسے زیبا نہیں ہے۔ ہمیشہ ”اچھا ہے“ کی روپورٹ سننے کے روادار معاشرے میں تحقیق کی چھٹی تو ناکارہ ہی تصور کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود کچھ روایت تھکن، حالات سے بے پرواں لوگ ہر دور میں موجود رہتے ہیں، جو ”تحقیق کی اصل روایت“ سے بخوبے رہتے ہیں۔ رشید سن خاں کی ساری زندگی قدیم شخصوں کی تدوین تحقیق کی باریک گھیاں سلبھانے میں گزر گئی۔ انھیں معلوم تھا کہ اصل آخذ

و مراجع تک رسائی کے بغیر تحقیق کو اعتبار اور سند کا درج حاصل نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے لکھا ہے:

”مجھے اپنی طالب علمی کے زمانے کا یہ واقعہ اب تک یاد ہے کہ ایک مرتبہ علامہ ڈاکٹر محمد شفیق (مرحوم) نے خارجی شوابد کے سلسلے میں مجھے ایک ایسی نادر تلمیز کتاب کے مطالعے کا مشورہ دیا، جس کا ایک نسخہ جرمی میں تھا۔ میں نے اُس کے حصول میں اپنی محفوظ ری طاہر کی تو انہوں نے فرمایا کہ حکیم یا ڈاکٹر ایک دو ایمسرنے ہونے پر کوئی دوسری دوا تجویز کر سکتا ہے، لیکن ریسرچ کے سلسلے میں جو کتاب تجویز کی جائے وہ ہر قیمت پر حاصل کرنی ہوگی کیوں کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔“^{۲۷}

قاضی عبدالودود کا یہ قول بھی بھل ہے کہ: ”اصل آخذ کے ہوتے ہوئے کوئی بات قابل قبول نہ قرار دی جائے۔“^{۲۸} یہ رشید صن خاں بھی اصل آخذ کی علاش میں ہمیشہ سرگردان رہے:

”سحر البيان اب مکمل ہونے والی ہے۔ اس پر ڈھائی سال لگ چکے ہیں۔“^{۲۹}

خاں صاحب کی زندگی حوادث سے عبارت ہے۔ اعصاب شکن حالات میں بھی انہوں نے تحقیق و تدوین کے چاغوں کی روشنی کم نہ ہونے دی۔ اُن کے خطوط کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ خون جگر جلانا کے کہتے ہیں؟ اس میدان میں قدم رکھنے والوں کے لیے اُن کی رہنمائی بھی ہے: ”غم کرنے کے بجائے، اگلے حادثے کے استقبال اور آنے والے طبع آلو در چہرے سے آنکھیں چار کرنے کے لیے تیار رہیے۔“^{۳۰}

تحقیق میں انتشار، انتشارِ محبوب و مطلوب سے کم نہیں ہے۔ اصل آخذ تک پہنچنے کے لیے ان گنت رکاوٹیں محقق کو پیش آتی ہیں، خاں صاحب کہتے ہیں: ”سب سے آسان کام انتشار ہے، اس لیے وہی میرے حصے میں آیا کرتا ہے۔“^{۳۱}

تحقیق ایک صبر آزمایش کا ہے، جو جذباتیت سے میل نہیں رکھتا:

”ہمارے ہاں چند بات کے مارے ہوئے لوگ، جو علمی مسائل کو بھی چند بات کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور ان پر قدامت کا حال یہ ہے کہ کسی چیز میں ذرا سی علمی، سائنسی تبدیلی کے لیے تیار نہیں۔“^{۳۲}

رشید صن خاں کے نزدیک: ”تحقیق ایک سلسلہ عمل ہے اور محقق کو قسم معلومات کی بنا پر اپنے کسی بیان کی تردید یا تصدیق یا توسعہ کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور میں خود اس کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔“^{۳۳}

خاں صاحب کوئی مشینی انسان نہیں تھے، وہ بھی اپنے سینے میں ایک دھرم کتا ہوا دل رکھتے تھے لیکن تحقیق و تدوین کے تقاضے نہیں کسی اور تھی طرف لے گئے، ورنہ لکھتے ہیں: ”فرصت و فراغت ہوتا آدمی عیش کیوں نہ کرے، آنکھوں کا تیل کیوں پکائے اور جی کیوں جلائے۔“^{۳۴}

خاں صاحب کی زبان یا قلم کی کاٹ بے لائی تھی۔ ڈاکٹر جیل جالی کی تصنیف تاریخ ادب اردو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ارباب علم و اشتہار نے کئی جلوسوں میں اس کتاب کے مناقب و فضائل پر نظری قصیدے ایسے پڑھے تھے کہ

وہ باری بحاثتوں اور پاؤں کو مات کر دیا تھا۔” ۲۳

”ہر فن مولا“ بنے کی خواہش رکھنے اور کثیر اتصانی کے شوق میں جلا تحقیقین کے لیے رشید حسن خاں تحریر کرتے ہیں: ”لوگ“ کثیر القاصد“ بنے جا رہے ہیں اور تحقیق شرک کو قبول کرنی نہیں۔ پھر بھی عرض تناکرتے رہنا چاہیے۔ شاید آجائے کوئی آبلہ پا۔ میں تصوف کے بہت خلاف ہوں لیکن اس میں ترک دنیا کا جو تصور ہے، اسے بہت عزیز رکھتا ہوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔“ ۲۴

ریسرچ سکالر اکثر کہتے ہیں کہ کوشش کے باوجود فلاں کتاب نہیں مل سکی۔ خال صاحب کا اسلوب یہاں بھی رہنمائی کرتا ہے:

”میرا تحریر یہ ہے کہ باع و بھار، فسانہ عجائب، گلزار نسیم اور اب یہ مشویاں [مشنویاتِ شوق لکھنؤی]، اس سب کے نتیجے میں کگن پچی ہوا در آدمی پوچھنے میں شرم نہ کرے، اچھے طالب علم کی طرح اور یہ کہ صبر کی توفیق رفتی رہے، تو پھر ہر نسخیں جاتا ہے اور ہر کام ہو جاتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں جیزٹی نہیں۔ اس میں اکثر کم تو جبی کو دخل ہوتا ہے یا پھر اس کو طلب صادق نہیں ہوتی اور آدمی کام کو جلد تر کرنا بل کہ بھگنا چاہتا ہے۔ میں نے باع و بھار کے سلسلے میں ہندی میں مول کی تلاش میں مکمل میں سال تک صبر کیا اور تلاش کرتا رہا۔ آخر کوں گیا، جب کہ سب کو یقین آپ کا تھا کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ جب تک وہ میں نہیں گیا، باع و بھار کے متن کو مرجب نہیں کیا۔“ ۲۵

اس جہاں رنگ دبو میں ایسی علی ریاضت اور ”تحقیقی فقیری“ کتنے لوگوں کا اسلوب تحقیق ہے؟ رشید حسن خاں نے اپنے خطوط میں رسیاتِ تحقیق کے ضمن میں تحقیقین کے لیے بیانی اصول وضع کیے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”سومن اور حقیق کا منصب منافقت نہیں۔ تحقیق بھی سب سے بیاز ہو کر بیج بولتا ہے، تو یہ ایک طرح سے خدا کی خدائی کا اعتراف بھی ہوتا ہے۔“ ۲۶ اعموماً جب لکھنے کا مرحلہ آتا ہے، تو تحقیقین طویل اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ اور ادھر کی باتیں مقابلے کا حصہ بناؤ کر اس کا جنم بڑھادیتے ہیں۔ خال صاحب بتاتے ہیں:

”جو کچھ معلوم ہو یا جو کچھ ذہن میں ہو، سب کو شامل تحریر کر لینا، اچھی تحریر کے منافی ہے۔ ہر جگہ بقدر ضرورت لکھا جائے۔ تقدید اور تحریر یہ میں لفظی کفایت شعاراتی کی اہمیت بہت ہے اور تحقیق میں تو ہے ہی۔“ ۲۷
مولانا محمد علی جوہر کے پارے میں ہے کہ وہ لے لے خط لکھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فقر لکھنے کا وقت یہرے پاس نہیں ہے۔ ۲۸ ثابت یہ ہوا کہ ”طول نگاری، ارتکاز کی دشمن ہے۔“ مددوں تحقیق سے بچپی رکھنے والوں کا حلقہ بہت محدود ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی طبیعت میں کم آمیزی شامل ہوتی ہے۔ رشید حسن خاں اپنے معمولات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کافی ہاؤس (وہی) میں پاندھی سے بیٹھا کرنا تھا، جب تک دہلی میں رہا، مگر ہمیشہ تھا، کسی کے ساتھ نہیں، اس سے وحشت ہوتی تھی۔ مجلس آرائی کا میں قائل نہیں۔“ ۲۹ حق کے ذہن میں یہ بات وہی چاہیے کہ ”هم لوگ سب کے لیے نہیں لکھتے، ایک خاص طبقے کے لیے لکھتے ہیں۔“ ۳۰

خال صاحب کے خطوط اور دیگر تحریروں میں عمومی طور پر اختصار، اجمال اور لفظی "فضل خرمی" سے پہلیز کے بعض بڑے نادر نمونے ملتے ہیں۔ خال صاحب کا پاؤں سینے سے پھسلا اور چوت آگئی لکھتے ہیں: "حادثات برحق افسوس بس اس کا ہے کہ بیرون زمانے میں پھسلا جب اُس کا زمانہ نکل چکا تھا۔" ۲۳

ریٹائرمنٹ کے بعد دہلی سے شاہجان پور مستقل رہائش کے لیے منتقل ہوئے، چھتیں سال اکیلے دہلی میں رہے، ریٹائرمنٹ کے بعد وہ گھر لوٹے تو لکھتے ہیں: "ایک مہینہ لگے گا باسٹ بچانے اور جمانے میں۔" ۲۴ تم خط اتنا مختصر لکھتے ہو، جیسے سرکاری لگان کی دوسری رسمیت۔ ۲۵ شعر پر تقدیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ محض لفظی کھیل ہے اور غلبہ جنمائیک۔" ۲۶ شدید سردی کا نقشہ یوں کھینچا: "سردی اس وقت بہت ولوہ آفریں اور رات بڑی گناہ طلب ہے، تجربہ کار فاحش کی طرح۔" ۲۷ اُن کے بیٹے (خالد) نے سرکاری مکتب میں اسٹاد بھرتی ہونے کے لیے امتحان دیا۔ اُس حوالے سے لکھتے ہیں: "خالد نے اُستادی کا امتحان دیا ہے، دیکھوان کے لئے پن کی قدر کس قدر رہوتی ہے۔ چوں کہ زمانہ ناقد رشناں ہے۔ اس لیے شائد کچھ ہو جائے۔" ۲۸ زمانے کی "ناقد رشناں" کے باعث خالد مغلی کے امتحان میں کامیاب ٹھہرے۔

ناقد رشناں کا انھیں بھیشہ قلق رہا۔ دفتری عملہ ہو یا معاصر ادب اُن کی حریفانہ کلکش پوری زندگی جاری رہی۔ خال صاحب نے ایسے "ہمدردوں" کے بارے میں بعض سخت ریمارکس بھی دیے ہیں۔ ایسے طنزیہ جملے ان کے شدید ہنری و قلبی رو عمل کا اظہار ہیں۔ دل کی بھڑاس انہوں نے اپنے قریبی دوستوں کو خط لکھ کر کیا ہے۔ ظاہری طور پر وہ اس اصول پر کاربنڈر ہے کہ مقابلہ بھیشہ برابر سے ہوتا ہے، نیچے اتر کر نہیں۔ ۲۹ خال صاحب نے اپنے آپ کو خودداری اور کسی حد تک "علیٰ غرور" کی اُس منزل پر فائز کر دیا تھا کہ وہ بہت کم لوگوں کے علمی و حقیقی کام سے مطمئن تھے۔ "میرے لمحے میں وہ قلم کا ہو یا زبان کا، تکوار کی دھار ہے۔ وہ لوچ نہیں جو منافق آدمی کی بات میں ہوتا ہے۔" ۳۰

"نو رانی صاحب کی تحریر پڑھ کر کیا کروں گا۔ مرحوم کا میرے ساتھ ہیں برس سے زیادہ ہے۔ بہت ضعیف اور زدایت ہیں۔" ۳۱ بحث و تجھیں میں وہ اپنے اسلوب کا اظہار کرتے ہیں کہ "علمی بحث میں واقف کاروں کی تحریروں سے بحث کی جاتی ہے، عطا یہوں کی تحریروں سے نہیں۔" ۳۲ مرحوم بزرگوں کی تحریروں سے وہ استفادے کے قائل تھے، مگر آداب تحقیق کے تحت۔ ۳۳ تحقیق کے میدان میں معاصرین کے علاوہ مرحومین بھی ان کی قلم کی کاٹ سے محفوظ نہ تھے۔ اس حوالے سے وہ اپنے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "مجھے قاضی عبدالودود صاحب کا یہ قول بھیشہ یاد رہتا ہے کہ مُردوں کا حق ہم پر زندوں سے زیادہ نہیں۔ راوی مرحوم ہو یا زندہ، ایک ہی طریقی کا راجعتیار کیا جائے گا قبول روایت میں۔" ۳۴

ڈاکٹر گیان چند کے ساتھ رشید حسن خال کے دیرینہ مراسم تھے، ان کے ایک مسودے پر بے لائگ رائے کا اظہار ان کی "کافر طبیعت" ۳۵ کا اظہار ہے: "بات یہ ہے کہ ادبی و فقار اور عام شہرت، دونوں کے لحاظ سے آپ اس مرتبے پر فائز ہیں کہ اب یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہر طرح کی ہلکی اور گہری، معمولی اور عمدہ، ناقابل الفات اور بے حد قابل الفات تحریریں یکساں طور پر آپ سے منسوب ہوتی رہیں۔" ۳۶ یہ بھی ضروری نہیں کہ تحقیقین یا علماء کا ہر لفظ درج رجسٹر ہونے کے قابل ہو۔ مجھے یہ محسوس

ہوتا ہے کہ آپ اپنی ہر تحریر لازماً شائع کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات میری رائے میں نظر ہائی کی محتاج ہے۔ ۲۷۳ ایک صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں "انھیں صاحب کتاب بننے کا "ہوگا" ہو گیا ہے یا یوں کہیے کہ لکھنے کا ہیضہ ہوا ہے۔" ۲۷۸ عبادت بریلوی صاحب کا شمارنصول ٹگاروں میں کیا جاتا ہے۔ ۲۷۹ اللہ آباد، یوں بھی اب پڑھ ملکے لوگوں سے خالی ہو گیا ہے۔ ۲۸۰ یعنی تصنیف و تایف، تحقیق و تدوین میں مقدار کے بجائے کیفیت (Quality) کو بخوبی رکھنا تحقیق کو زیادہ دریز نہ رکھ سکتا ہے۔ اس حوالے سے وہ قاضی عبدالودود کے بیرون کار تھے:

"جنسوں (قاضی عبدالودود) نے اردو تحقیق کو مطلق انداز اور تحقیق کی زبان سائنسیک بنیاد پر تحقیق کی اسی زبان جس میں ایک لفظ بھی زاید نہ آجائے۔ ان کے ہاں ریاضی کا سا انداز ہے۔" ۲۸۱

تحقیق و تدوین متن کے میدان میں رشید سن خال اتنے کھرسے اور زاہد شک تھے کہ لگتا ہے دوستی، مصلحت اور رعایت کا کوئی خاشرہ ہی ان کے ذہن میں نہ تھا۔ انھیں خود اس کا احساس تھا۔ گیان چند جیمن کو لکھتے ہیں: "جیمن صاحب! میں نے حق گوئی کی بہت قیمت ادا کی ہے اور کر رہا ہوں۔" ۲۸۲ کام میں لگن کا یہ عالم ہے کہ رام پور رضا لاہوری میں گئے۔ ان کے جانے والوں کو پتا چلا کچھ لوگ ملنے کے لیے آگئے۔ خال صاحب نے ملاقاتیوں سے یوں پرہیز کی۔ جیسے کوئی حرام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، لکھتے ہیں:

"یہاں غائبان قدر دانوں کی ایک بڑی تعداد نکل آئی، جن میں بوڑھے بھی ہیں اور نوجوان بھی، اس خیال سے کہ ملاقات میں وقت بہت جاہ ہو گا۔ کسی سے نہیں ملا ہوں۔ بل کہ لاہوری میں کہہ دیا ہے کہ کوئی صاحب پوچھیں تو کہہ دیا جائے کہ موجود نہیں ہیں۔" ۲۸۳

ڈاکٹر مس بدالیونی کی کتاب کی تحسین فرمائی تھی کہ تحقیق کے دوران میں قلم کو بے قابو نہ ہونے دیں اور جذبات کو جذبہ باتیت کا مراد فرمائیں۔ کتاب کا مولوں پر اثر پڑا کرتا ہے۔ ۲۸۴ اسی طرح دیوان غالب کے مؤلف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"وہ تو ادبی شرم و حیا سے بیگانہ محض ہیں، کیوں کہ ہوس نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اس لیے وہ کیا شرمائیں گے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنسوں نے زبان و ادب کو مالی تجارت کا درجہ دے رکھا ہے اور اس تجارت میں وہ کامیاب ہیں۔ رہی علمی نیک ہائی کی بات، سواؤں کی ان کو ضرورت نہیں۔" ۲۸۵

مزید لکھتے ہیں:

"اب وہ ڈینیاداروں میں تو بہت کام یا بہت کام کی وجہ یہ ہے کہ اس کامیابی کے لیے علم کی نہیں منافقت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی کمی نہیں لیکن خالص علمی سطح پر ان کا شمار ملتیع زدہ جنسوں میں کیا جاتا ہے۔" ۲۸۶ خال صاحب کے اسلوب تحریر سے سادگی، نفاست اور سچائی پُتھی ہے۔ اپنے اسلوب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"ادبی تحقیق اور تدوین اب میرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ میں اس تنقید کا قطعاً قائل نہیں، جس میں

انشائیہ نگاری کا انداز ہوا دردہ اسلوب ہو، جو منافق کی خن آرائی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح میں اس تحقیق کو فکر شاعرانہ کا پدل سمجھتا ہوں، جس میں صاف گوئی کے بجائے لیپٹے پوتے کا انداز ہو، چوں کہ حالات نے اب پیشتر افراد کو دنیا داروں کے پھیر میں جتنا کر رکھا ہے، اس لیے تحقیق کا یہ سادہ و صاف اندازان کو پسند نہیں آتا اور اس کے لیے ان حضرات نے "متقی انداز نظر" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ جمود کو جھوٹ کہیں اور دلوں ک انداز میں رائے ظاہر کریں وہ تو متقی انداز والے ہوئے اور جو لوگ ادب کے نام پر تجارت اور جہالت کو فروغ دیں وہ ثابت انداز نظر والے ہوئے۔ آپ چور کو چور کہیں تو وہ بہت داویلا مچائے گا۔ یہی حال ان تاجر ان ادب کا ہے۔ میں صاف، واضح اور دلوں ک انداز میں بات کہنا چاہتا ہوں اور اس سے مجھے مطلق دلچسپی نہیں کر لوگ اسے ثبت سمجھیں گے یا منقی، ایسی فضول اصطلاحوں سے میں بہت دور رہنا چاہتا ہوں۔" ۲۷

اپنے خطوط میں رشید حسن خاں کبھی کبھی عمر رفتہ کو آواز دیتے ہیں، جس سے انداز ہوتا ہے کہ تحقیق کے خلک ذہن میں کبھی کبھی جذبات بھی مچلتے ہیں۔ بریلی اور بدایوں کی بادوں کے حوالے سے لکھتے ہیں: "جب کبھی نینی تال روڈ کے شروع ہی میں واقع دکان سے بدایوں کے پیڑے لے کر کھائیں تو مجھے یاد کر لیا کیجیے گا۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں نے اس دکان سے بارہ پیڑے خریدے ہیں، مگر یہ قصہ ہے، جب کا کہ آتش جوان تھا۔" ۲۸

ہاکی، فٹ بال کے کھیل خاں صاحب کی خصوصی دلچسپی کے میدان تھے، جب کبھی دہلی میں بیچ ہو، خاں صاحب اپنی تمام مصروفیات کو ایک طرف رکھ دیتے اور اکثر اوقات سینڈیم پانچ جاتے۔ لکھتے ہیں: "آن کل یہاں جونیز نیشنل ہاکی چیمپیون شپ ہو رہی ہے۔ میرا آدھا وقت اس کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب ہاتھ میں جنبش نہیں، مگر آنکھوں میں تو دم ہے۔" ۲۹ جولاں کو فائنل ہو گا۔ اس وقت تک میری شامیں بہت اچھی گزریں گی۔

تحقیق میں کمرے اور کھوٹے کو واضح کرنے میں وہ کسی سے رعایت نہیں بر تھے تھے لیکن عام انسانی زندگی میں اُن کا

روپہ قدرے مختلف تھا:

"علمی معاملات میں ضرور اُس منافقانہ روشن کا قائل نہیں، جسے خوش اخلاقی کہا جاتا ہے لیکن ویسے اخلاقی طالبوں کو مانتا ہوں اور اپنے چھوٹوں سے تو کسی طرح کی بداخلانی کرنا بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔" ۳۰

کبھی حسرت سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

"میاں ہم لوگ اُس فصل کی آخری بہار ہیں، جو دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔ دیے بہار کا موسم باہر بار آئے گا۔" ۳۱
اپنے ایک قریبی دوست سے تعلق کا اظہار یوں کرتے ہیں: "ہاں صاحب! آپ سے ملاقات کا تو امکان ہے نہیں، یوں غالب کے لفظوں میں جنت نگاہ تو ملنے سے رہی؛ مگر فون کے واسطے سے فردوںی گوش کا لطف حاصل ہو جایا کرتا تھا؛ اب کتنے بخت سے وہ بھی حاصل نہیں، خیر باشد! آنکھیں آپ کی تحریر کی مشاہد ہیں اور کان آپ کی آواز کے منتظر۔" ۳۲
خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم متون کی تدوین میں الْجَهَا ہوا کسی حق کا ذہن ہنکلی پھلکی تحریریں پڑھنے کی طرف مائل نہیں

ہوتا، لیکن خال صاحب کا معاملہ برس ہے۔ کھیل کی دلچسپیوں کے علاوہ فلشن بھی باقاعدگی سے پڑھتے تھے: ”فلشن سے مجھے وہ تازگی خیال ملتی ہے، جو تحقیق کی صبر آزمائی کو خوش گوار بناتی رہتی ہے۔“ ۲۵

ایک بے تکلف دوست کو تحریر کرتے ہیں:

”مجھے آپ کا فیصلہ ہر صورت میں منظور ہوگا۔ سر تسلیم فرم ہے، جو مزاد یار میں آئے۔“ ۲۶

”اگر آپ کے اصرار بے حد کی تکوار سے سر پر نہ لٹکتی ہوتی تو یہ کام ہونیں سکتا تھا۔“ ۲۷

رشید حسن خال کی شرمندی کا تجھے ہی لیکن ان کے مکاتیب بھی خال، احوال اور رکی خیر و عاقبت کے بجائے اماں، افت، سائل لسانیات، تدوین، تحقیق اور قواعد زبان جیسے موضوعات کو محیط ہیں۔ ان کی مراسلت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مکتب لئا کی طرح مکتب اہم بھی علمی و ادبی مرتبے پر فائز ہیں، جن کے ساتھ وہ دوستی و مودت کے رشتہ لازوال میں نشک تھے۔ اس تعلق کی وجہ باہم دلچسپی کے متعدد موضوعات تھے۔ رشید حسن خال کے خلطوط مرتبہ تھی۔ آرجنیا میں ۵۹ مشاہیر کے زائد ۶۰۰ سے زائد خطوط میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ مزاد، بے تکلفی کے رنگوں کی بھی جملک موجود ہے۔ رشید حسن خال اپنی عمر کے آخری حصے میں اقبالیات کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ اقبالیات کی جانب ان کی رغبت کا باعث ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی محبت اور دوستی تھی۔ ہاشمی صاحب کے ساتھ ان کا گھر اعلیٰ تھا۔ جس کا ثبوت موصوف کے پچاس مکاتیب ہیں، جنہیں الگ سے ڈاکٹر ارشد محمد ناشاد نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر ناشاد کے مطابق:

”رشید حسن خال ایک دوبار جب پاکستان آئے، تب تدوینوں کے درمیان ملقاتوں کا سلسلہ بھی رہا، جن سے سلسلہ دوستی مزید مضبوط ہوا۔ رشید حسن خال انھیں اپنا بیداری و مرشد کہا کرتے تھے اور ان کی رائے کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ اسی طرح رفیع الدین ہاشمی بھی اُن کی علمی و ادبی خدمات کے ہمیشہ مترکر رہے اور ان کی تحریروں سے کہب فیض کرتے رہے۔ ہاشمی صاحب کی خواہش کے احراام میں رشید حسن خال نے لفظیات اقبال اور تدوین کلام اقبال جیسے اہم منصوبوں پر کام کا آغاز کیا تھا، مگر درست اجل نے انھیں مہلکہ کارندی۔“ ۲۸

رشید حسن خال کے خلطوط (مرتبہ۔ آر۔ رن) میں ہاشمی صاحب کے نام لکھے گئے۔ اخطبوط بھی شامل ہیں، جن میں کلام اقبال کی تدوین نو کے حوالے سے جزئیات بکریہ بحث آئی ہیں۔ اس کے علاوہ خال صاحب کا ایک وقیع مضمون، ہاشمی صاحب کی کتاب اقبالیات: تفہیم و تجویر میں کلام اقبال کی تدوین کے عنوان سے شامل ہے۔

رشید حسن خال اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اقبالیات کے اس تشكہ کام کی تحریر بھی اشتراک و تعاون سے کرنا چاہتے تھے۔ خال صاحب کے نزدیک، اقبال کی اردو اور فارسی شاعری کا ایسا کوئی مجموعہ اب تک مرتب نہیں ہو سکا، جسے اصول تدوین کے لحاظ سے تحقیقی ایڈیشن کہا جاسکے۔ شاعر شرق کے کلام کا معیاری ایڈیشن مرتب نہ کیا جانا۔ جس قدر حرمت ناک ہے، اس سے کہیں زیادہ انہوں ناک ہے۔ ۲۹

خال صاحب کے خلطوط سے واضح ہوتا ہے کہ اس اہم علمی کام کا خاکہ مرتب کر دیا گیا تھا۔ ہاشمی صاحب اس کام میں

ان کے شریک کا رہتے۔ افسوس کے خاں صاحب کی موت کے ساتھ ہی یہ منصوبہ بھی قتل کا شکار ہو گیا ہے۔ ورنہ اردو کے کامیک سرمائے کو جس طرح خاں صاحب نے اپنی علمی لیاقت اور کمالات سے بازروت ہنایا تھا۔ اس طرح جہاں اقبالیات بھی کچھ نئے رنگوں سے عکس ریزن ہوتی لیکن نوہنہ تقدیر کو کون نال سکتا ہے؟

رشید حسن خاں کوڈاکٹر گیان چند جی بن نے "خدائے تدوین" کہا ہے۔ ۵۸ املا اور جملوں کی ساخت کے حوالے سے رشید حسن خاں ایک نئی فکر کے داعی ہیں۔ ان کے نزدیک مرکب لفظ جو دو یادو سے زیادہ لفظوں سے مل کر بنے ہوں، مل کر نہ کسکے جائیں، بل کہ الگ الگ کسکے جائیں۔ اس طرح انگریزی یا یورپی لفظوں کو بھی گڑیوں میں تقسیم کر کے لکھا جائے تو املا، لفظ کی صحت اور لکھنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ اس حوالے سے رشید حسن خاں نے اردو املا، اردو کیسے لکھیں؟، انش و تلفظ جیسی کتب تحریر کر کے علائے املا و تحقیق کے لیے جہاں کئی نئے افون روشن کر دیے ہیں وہاں انھیں شدید تحدید کا سامنا بھی رہا ہے۔ ہندوستان کے چوٹی کے علائے املا ڈاکٹر گیان چند جی بن، ڈاکٹر عبدالستار صدقی، عبدالرحمٰن واصف اور شمس الرحمن فاروقی نے خاں صاحب کے املا سے اختلاف کیا ہے۔ رشید حسن خاں نے بعض عربی الفاظ: مصطفیٰ، عقبیٰ، عیسیٰ اور کبریٰ جیسے الفاظ کا املا بدل کر مصطفیٰ، عقباً، عیساً، کبراً لکھنے پر زور دیا ہے۔ قرآنی املا کی تبدیلی کے اس نقطے نظر کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ سہولت اور آسانی کے لیے ایک باریہ اگر تبدیلی املا کا دروازہ کھل گیا تو پھر اس کی کوئی حد نہیں رہتی۔ فاضل مرتب نے خطوط کی محض جمع آوری ہی کو کافی سمجھا۔ یکڑوں مقامات تجھشیے اور حوالوں کے مقاضی ہیں، جن کے بغیر متن کی تفصیل میں مشکلات در آئی ہیں۔ فاضل مرتب نے بعض بہت ذاتی نوعیت کے خطوط بھی شامل کر دیے ہیں، جن میں اخلاقیات سے گرے ہوئے کئی الفاظ، جملے ہیں (ص ۲۷۳، ۲۷۴، ص ۱۲۲) اگر اس مجموعے کا حصہ نہ بننے تو خاں صاحب کے معتقدین کے لیے بہتر ہوتا۔ البته فاضل مرتب نے ۱۱۶ صفحات پر پھیلا ہوا جامع اور بسیط مقدمہ تحریر کیا ہے، جو تحسین کے قابل ہے۔ ۱۰۵۶ صفحات پر مشتمل خطوط کا یہ مجموعہ (قیمت ۳۵۳ روپے) ڈاکٹر تیرتھ رام رینا نے ۲۰۱۱ء میں جموں سے شائع کیا ہے۔ پابندیل ہے:

F-237, Lower Hari Singh Nagar, Rehari Colony, Jammu - 180005,

Mob No-09419828542



حوالہ جات:

- ۱۔ رشید حسن خاں کی خطوط، ص ۱۱۲
- ۲۔ ایضاً، ص ۹۹
- ۳۔ ایضاً، ص ۲۷۷
- ۴۔ ایضاً، ص ۵۳۱
- ۵۔ ہماری زبان، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، کیم ۲۸۲، رب ۲۰۰۶ء، ص ۲۲
- ۶۔ اردو میں اصول تحقیق، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، جلد اول، مقتدرہ قوی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶

- ۷۶۔ هماری زبان، ج ۲۲
- ۷۵۔ ص ۴۲۷
- ۷۴۔ ص ۳۳۸
- ۷۳۔ هماری زبان، ج ۲۲
- ۷۲۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۳۰۸
- ۷۱۔ اپنا، ج ۹۹۷
- ۷۰۔ اپنا، ج ۷۰۲
- ۶۹۔ اپنا، ج ۷۰۳
- ۶۸۔ بازیافت، «تخاریپ یونیورسٹی اور یونیورسٹی کالج، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۶۵
- ۶۷۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۷۰۲
- ۶۶۔ اپنا، ج ۶۳۰
- ۶۵۔ اپنا، ج ۵۸۲
- ۶۴۔ اپنا، ج ۵۷۲
- ۶۳۔ اپنا، ج ۶۱۱
- ۶۲۔ اپنا، ج ۶۵۳
- ۶۱۔ اپنا، ج ۶۵۷
- ۶۰۔ اپنا، ج ۷۸۲
- ۵۹۔ اپنا، ج ۳۰۲
- ۵۸۔ هماری زبان، ج ۲۲
- ۵۷۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۷۲۶
- ۵۶۔ اپنا، ج ۵۶۷
- ۵۵۔ اپنا، ج ۶۵۳
- ۵۴۔ اپنا، ج ۳۰۵
- ۵۳۔ رشید حسن خان: حیات و خدمات، کتاب ناخصوصی شارہ، مکتبہ جامعہ ننی دہلی، ج ۱۲، ۱۳
- ۵۲۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۱۵۲
- ۵۱۔ اپنا، ج ۵۹۵
- ۵۰۔ اپنا، ج ۶۵۲
- ۴۹۔ اپنا، ج ۳۸۷
- ۴۸۔ مکالیب رشید حسن خان بنام رفع الدین هاشمی، عرض مرتب، ج ۱۳
- ۴۷۔ کلام اقبال کی تدوین، مشمول، اقبالیات: تفسیر و تجزیہ، ج ۲۸۷
- ۴۶۔ مقدمہ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۱۷
- ۴۵۔ اپنا، ج ۵۵



ڈاکٹر تیرتھ رام رینا کے مرتبہ رشید حسن خاں کے خطوط

ظفر حسین ظفر ☆

رشید حسن خاں و سعیج مطابعے، عیسیٰ مشاہدے اور علمی ریاضت کے باعث میدان تحقیق و مدویں میں نمایاں مقام کے حاصل تھے۔ گھر کے نیچے نظر ماحول کے باعث وہ بچپن ہی میں مدرسے کی تقلید زدہ فضائل میں مقید کر دیے گئے۔ ان کی آزاد طبیعت کو تقلید کی یہ روشن راس نہ آئی کیوں کہ ”تحقیق“، کوت عنم تقلید ہی راس آتی ہے۔ ایک سلیف میڈ، مل کر کھل سلیف میڈ کی طرح، انہوں نے اپنے راستے اور منزل کا تصحیح خود ہی کیا۔ فکرِ معاش کے تقاضوں سے محبدہ برآ ہونے کے لیے وہ ایک فیکٹری میں ملازم ہو گئے۔ روایت سے بغاوت ان کی فطرت کا حصہ تھی۔ اسی ”باغیانہ“ رہجان کے باعث ”بندہ مزدور“ کے لئے اوقات کے خلاف دیگر فیکٹری ملازمین کے ساتھ احتجاج کے نتیجے میں ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔ فکرِ معاش پھر داں گیر ہوئی تو ایک مدرسے میں عربی معلم ہو گئے۔ ازان بعد ۶ راگست ۱۹۵۹ء دہلی یونیورسٹی میں معادن تحقیق کے طور پر تینات ہوئے، جہاں اپنی زندگی کے چھتیس سال ہاٹل کے ایک کمرے میں گزار کر ۳۱ روپے ۱۹۸۹ء کو ملازمت سے رہا تھا ہو گئے۔

رشید حسن خاں فطری تحقیق تھے۔ تحقیق و مدویں ہی ان کا دلخیفہ زندگی رہا۔ اس میدان میں بھی انہوں نے اپنے لیے مشکل تر موضوعات کا اختیاب کیا۔ بعض کلاسیک کتب (فساتین غائب، باغ و بہار، مشویات) کے قدیم متون کی مدویں و تقابل اور ہلاش و جستجو میں ان کی ریاضت اور محنت بے مثال تھی۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ اگر رشید حسن خاں ان قدیم نسخوں کی مدویں کی جانب متوجہ نہ ہوتے، تو شاید ہی کوئی محقق ”اس بھاری پتھر“ کو چوتھا۔ تحقیق و مدویں متون کی مشکل سے مشکل گر ہیں کھولنا لگتا ہے، رشید حسن خاں ہی کا مقدر تھا۔ ایک مددوہ کتابت کے مرحلے میں داخل ہوتا، تو بلا توقف دوسرے پر کام کا آغاز کر دیا جاتا۔ رشید حسن خاں نے اصل مآخذ کی ہلاش میں عجلت اور سہل انجاری کو کمی قریب نہیں پہنچنے دیا۔ باغ و بہار کے ہندی مینوں کی ہلاش میں میں سال انتقال کرتے رہے۔ بالآخر وہ نجاح ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اس انتصار سے رشید حسن خاں نے چدید اردو تحقیق میں بے

☆ ڈاکٹر ظفر حسین ظفر، ایسوی ایم پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کراچی را دا کوٹ۔

مثال علمی و سائنسی معیار قائم کیا ہے۔ وہ پوری زندگی تحقیق و تدوین کی وادیوں میں سرگردان رہے۔ اس پیغم جدوجہد کے نتیجے میں وہ حافظ محمود شیرازی، قاضی عبدالودود اور امیاز احمد عرشی میںے بلند پایہ تحقیقین کی صاف میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔

حق گوئی (بعض اوقات گستاخی کی حد تک) اور خودواری (اٹا کی بلندیوں کو چھوٹی ہوئی) اور اکثر معاصرین کے خلاف طفر کے تیر و نتر چلانے کے باعث، رشید سن خاں کے حریفوں کی تعداد بھی قابلِ نحاظ تھی۔ اس حریفانہ کشاکش کے باعث رشید سن خاں اکثر پریشان اور مغموم بھی رہے لیکن اپنی خواہ اور وضع بدلتے پر بھی تیار رہے ہوئے۔ لکھتے ہیں:

”میں اپنی زندگی میں اس قدر بے چارگی اور بے کسی کے احساس سے اس سے پہلے بھی دوچار نہیں ہوا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ جی لگا کر کام کرنا فضول ہے، بل کہ کام کرنا ہی بے کار ہے۔“ ۲

اہل خانہ سے بے نیازانہ روئیے نے بھی انھیں پریشان رکھا۔ انھوں نے ساری زندگی دہلی کے ایک ہائل میں گزاری، یوں بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دے سکے۔ اس کمک کا عکس بھی ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے، لکھتے ہیں:

”جس عافیت کی ہم کو، آپ کو علاش رہتی ہے، وہ شاید بھی نہیں مل سکے گی، کام انھی عافیت آشوب حالات

میں کرتا ہے۔“ ۳

رشید سن خاں کے ماحول کا حلقة بھی ہندوستان اور اس کے باہر پھیلا ہوا ہے، جن کے ساتھ ان کے تعلقات کی گہرائی اور خلوص کا اندازہ زیر نظر خطوط کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ ان کے ایک شاگرد اور صاحبِ ذا اکٹرائی۔ آر۔ رینا (مہنون) نے بہت محنت اور جاں فشائی سے ۵۹ میساہیر کے نام ان کے خطوط کا جمود شائع کیا ہے۔ ہندوستان اور بیرون میں پھیلے ہوئے، خاں صاحب کے دستیح حلقة، احباب کے خطوط کی سمع آوری ایک صبر آزمایا کام تھا، جسے رینا صاحب نے باکمال طریقے سے انجام دیا۔ ۱۰۵۶ صفحات پر مشتمل خطوط کا یہ مجموعہ، جس میں ۱۵۹ اہل قلم کے ۱۰۳۸ خطوط شامل ہیں، تحقیق، تقدیم اور الملا سے دفعہ پر رکھنے والے اہل علم اور طالب علموں کے لیے ایک نادر چیز ہے۔ تحقیق و تدوین متن کے لیے ان خطوط میں بہت سے رہنمایا صول دیے گئے ہیں۔ رشید سن خاں الملا کے جدید اصولوں اور قواعد کی تفہیم کے حوالے سے ایک نئے مکتب فکر کے داعی ہیں۔ ان کی جانب سے برتبے گئے سب الفاظ کی الملا کو ہبہ قبول کرنا آسان نہیں ہے۔ اختلاف کی گنجائش موجود ہے، جس کے وہ خود قائل ہیں:

”علمی مسائل میں کچھ اتفاق نہیں ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ یاد رکھیں اختلاف علمی روایت کا حصہ ہے۔ یہ رہے گا لیکن ایک بات واضح رہنا چاہیے کہ ایک ہوتی ہے غلطی اور ایک ہوتا ہے اختلاف۔ غلطی کے بجائے تعمیر و تاویل کا فرق ہوتا ہے۔ اختلاف کو غلطی نہیں مانتا چاہیے۔“ ۴

تحقیق کمرے اور کھونے کے درمیان فرق روا رکھنے کا نام ہے۔ ملاوٹ، منافقت، مصلحت اور ملتعق کاری اسے زیبا نہیں ہے۔ ہمیشہ ”اچھا ہے“ کی روپورٹ سننے کے روادار معاشرے میں تحقیق کی چھٹی تو ناکارہ ہی تصور کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود کچھ روایت تھکن، حالات سے بے پرواں لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں، جو ”تحقیق کی اصل روایت“ سے بخوبے رہے۔ رشید سن خاں کی ساری زندگی قدیم شخصوں کی تدوین تحقیق کی باریک گھنیاں سلبھانے میں گزر گئی۔ انھیں معلوم تھا کہ اصل آخذ

و مراجع تک رسائی کے بغیر تحقیق کو اعتبار اور سند کا درج حاصل نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے لکھا ہے:

”مجھے اپنی طالب علمی کے زمانے کا یہ واقعہ اب تک یاد ہے کہ ایک مرتبہ علامہ ڈاکٹر محمد شفیق (مرحوم) نے خارجی شوابد کے سلسلے میں مجھے ایک ایسی نادر تلمیز کتاب کے مطالعے کا مشورہ دیا، جس کا ایک نسخہ جرمی میں تھا۔ میں نے اُس کے حصول میں اپنی محفوظ ری طاہر کی تو انہوں نے فرمایا کہ حکیم یا ڈاکٹر ایک دو ایمسرنے ہونے پر کوئی دوسری دوا تجویز کر سکتا ہے، لیکن ریسرچ کے سلسلے میں جو کتاب تجویز کی جائے وہ ہر قیمت پر حاصل کرنی ہوگی کیوں کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔“^{۲۷}

قاضی عبدالودود کا یہ قول بھی بھل ہے کہ: ”اصل آخذ کے ہوتے ہوئے کوئی بات قابل قبول نہ قرار دی جائے۔“^{۲۸} یہ رشید صن خاں بھی اصل آخذ کی علاش میں ہمیشہ سرگردان رہے:

”سحر البيان اب مکمل ہونے والی ہے۔ اس پر ڈھائی سال لگ چکے ہیں۔“^{۲۹}

خاں صاحب کی زندگی حوادث سے عبارت ہے۔ اعصاب شکن حالات میں بھی انہوں نے تحقیق و تدوین کے چاغوں کی روشنی کم نہ ہونے دی۔ اُن کے خطوط کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ خون جگر جلانا کے کہتے ہیں؟ اس میدان میں قدم رکھنے والوں کے لیے اُن کی رہنمائی بھی ہے: ”غم کرنے کے بجائے، اگلے حادثے کے استقبال اور آنے والے طبع آلو در چہرے سے آنکھیں چار کرنے کے لیے تیار رہیے۔“^{۳۰}

تحقیق میں انتشار، انتشارِ محبوب و مطلوب سے کم نہیں ہے۔ اصل آخذ تک پہنچنے کے لیے ان گنت رکاوٹیں محقق کو پیش آتی ہیں، خاں صاحب کہتے ہیں: ”سب سے آسان کام انتشار ہے، اس لیے وہی میرے حصے میں آیا کرتا ہے۔“^{۳۱}

تحقیق ایک صبر آزمایش کا ہے، جو جذباتیت سے میل نہیں رکھتا:

”ہمارے ہاں چند بات کے مارے ہوئے لوگ، جو علمی مسائل کو بھی چند بات کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور ان پر قدامت کا حال یہ ہے کہ کسی چیز میں ذرا سی علمی، سائنسی تبدیلی کے لیے تیار نہیں۔“^{۳۲}

رشید صن خاں کے نزدیک: ”تحقیق ایک سلسلہ عمل ہے اور محقق کو قسم معلومات کی بنا پر اپنے کسی بیان کی تردید یا تصدیق یا توسعہ کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور میں خود اس کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔“^{۳۳}

خاں صاحب کوئی مشینی انسان نہیں تھے، وہ بھی اپنے سینے میں ایک دھرم کتا ہوا دل رکھتے تھے لیکن تحقیق و تدوین کے تقاضے نہیں کسی اور تھی طرف لے گئے، ورنہ لکھتے ہیں: ”فرصت و فراغت ہوتا آدمی عیش کیوں نہ کرے، آنکھوں کا تیل کیوں پکائے اور جی کیوں جلائے۔“^{۳۴}

خاں صاحب کی زبان یا قلم کی کاٹ بے لائی تھی۔ ڈاکٹر جیل جالی کی تصنیف تاریخ ادب اردو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ارباب علم و اشتہار نے کئی جلوسوں میں اس کتاب کے مناقب و فضائل پر نظری قصیدے ایسے پڑھے تھے کہ

وہ باری بحاثتوں اور پاؤں کو مات کر دیا تھا۔”^{۲۳}

”ہر فن مولا“ بنے کی خواہش رکھنے اور کثیر اتصانی کے شوق میں جلا تحقیقین کے لیے رشید حسن خاں تحریر کرتے ہیں: ”لوگ“ کثیر القاصد“ بنے جا رہے ہیں اور تحقیق شرک کو قبول کرنی نہیں۔ پھر بھی عرض تناکرتے رہنا چاہیے۔ شاید آجائے کوئی آبلہ پا۔ میں تصوف کے بہت خلاف ہوں لیکن اس میں ترک دنیا کا جو تصور ہے، اسے بہت عزیز رکھتا ہوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔“^{۲۴}

ریسرچ سکالر اکثر کہتے ہیں کہ کوشش کے باوجود فلاں کتاب نہیں مل سکی۔ خال صاحب کا اسلوب یہاں بھی رہنمائی کرتا ہے:

”میرا تحریر یہ ہے کہ باع و بھار، فسانہ عجائب، گلزار نسیم اور اب یہ مشویاں [مشنویاتِ شوق لکھنؤی]، اس سب کے نتیجے میں کگن پچی ہوا در آدمی پوچھنے میں شرم نہ کرے، اچھے طالب علم کی طرح اور یہ کہ صبر کی توفیق رفتی رہے، تو پھر ہر نسخیں جاتا ہے اور ہر کام ہو جاتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں جیزٹی نہیں۔ اس میں اکثر کم تو جبکی کو دخل ہوتا ہے یا پھر اس کو طلب صادق نہیں ہوتی اور آدمی کام کو جلد تر کرنا بل کہ بھگنا چاہتا ہے۔ میں نے باع و بھار کے سلسلے میں ہندی میںوں کی فلاں میں مکمل میں سال تک صبر کیا اور فلاں کرتا رہا۔ آخر کوں گیا، جب کہ سب کو یقین آپکا تھا کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ جب تک وہ میں گیا، باع و بھار کے متن کو مرجب نہیں کیا۔“^{۲۵}

اس جہاں رنگ دبو میں ایسی علی ریاضت اور ”تحقیقی فقیری“ کتنے لوگوں کا اسلوب تحقیق ہے؟ رشید حسن خاں نے اپنے خطوط میں رسیات تحقیق کے ضمن میں تحقیقین کے لیے بیانی اصول وضع کیے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”سومن اور حقیق کا منصب منافقت نہیں۔ تحقیق بھی سب سے بیاز ہو کر بیج بوتا ہے، تو یہ ایک طرح سے خدا کی خدائی کا اعتراف بھی ہوتا ہے۔“^{۲۶} عموماً جب لکھنے کا مرحلہ آتا ہے، تو تحقیقین طویل اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ اور ادھر کی باتیں مقابلے کا حصہ بناؤ کر اس کا جنم بڑھادیتے ہیں۔ خال صاحب بتاتے ہیں:

”جو کچھ معلوم ہو یا جو کچھ ذہن میں ہو، سب کو شامل تحریر کر لینا، اچھی تحریر کے منافی ہے۔ ہر جگہ بقدر ضرورت لکھا جائے۔ تعمید اور تحریر یہ میں لفظی کفایت شعاراتی کی اہمیت بہت ہے اور تحقیق میں تو ہے ہی۔“^{۲۷}
مولانا محمد علی جوہر کے پارے میں ہے کہ وہ لے لے خط لکھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فقر لکھنے کا وقت یہرے پاس نہیں ہے۔^{۲۸} ثابت یہ ہوا کہ ”طول نگاری، ارتکاز کی دشمن ہے۔“^{۲۹} تدوین تحقیق سے بچپی رکھنے والوں کا حلقہ بہت محدود ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی طبیعت میں کم آمیزی شامل ہوتی ہے۔ رشید حسن خاں اپنے معمولات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کافی ہاؤس (وہی) میں پاندھی سے بیٹھا کرنا تھا، جب تک دہلی میں رہا، مگر ہمیشہ تھا، کسی کے ساتھ نہیں، اس سے وحشت ہوتی تھی۔ مجلس آرائی کا میں قائل نہیں۔“^{۳۰} تحقیق کے ذہن میں یہ بات وہی چاہیے کہ ”هم لوگ سب کے لیے نہیں لکھتے، ایک خاص طبقے کے لیے لکھتے ہیں۔“^{۳۱}

خال صاحب کے خطوط اور دیگر تحریروں میں عمومی طور پر اختصار، اجمال اور لفظی "فضل خرمی" سے پہلیز کے بعض بڑے نادر نمونے ملتے ہیں۔ خال صاحب کا پاؤں سینے سے پھسلا اور چوت آگئی لکھتے ہیں: "حادثات برحق افسوس بس اس کا ہے کہ بیرون زمانے میں پھسلا جب اُس کا زمانہ نکل چکا تھا۔" ۲۳

ریٹائرمنٹ کے بعد دہلی سے شاہجان پور مستقل رہائش کے لیے منتقل ہوئے، چھتیں سال اکیلے دہلی میں رہے، ریٹائرمنٹ کے بعد وہ گھر لوٹے تو لکھتے ہیں: "ایک مہینہ لگے گا باسٹ بچانے اور جمانے میں۔" ۲۴ تم خط اتنا مختصر لکھتے ہو، جیسے سرکاری لگان کی دوسری رسمیت۔ ۲۵ شعر پر تقدیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ محض لفظی کھیل ہے اور غلبہ جنمائیک۔" ۲۶ شدید سردی کا نقشہ یوں کھینچا: "سردی اس وقت بہت ولوہ آفریں اور رات بڑی گناہ طلب ہے، تجربہ کار فاحش کی طرح۔" ۲۷ اُن کے بیٹے (خالد) نے سرکاری مکتب میں اسٹاد بھرتی ہونے کے لیے امتحان دیا۔ اُس حوالے سے لکھتے ہیں: "خالد نے اُستادی کا امتحان دیا ہے، دیکھوان کے لئے پن کی قدر کس قدر رہوتی ہے۔ چوں کہ زمانہ ناقد رشناں ہے۔ اس لیے شاہد کچھ ہو جائے۔" ۲۸ زمانے کی "ناقد رشناں" کے باعث خالد مغلی کے امتحان میں کامیاب ٹھہرے۔

ناقد رشناں کا انھیں بھیشہ قلق رہا۔ دفتری عملہ ہو یا معاصر ادب اُن کی حریفانہ کلکش پوری زندگی جاری رہی۔ خال صاحب نے ایسے "ہمدردوں" کے بارے میں بعض سخت ریمارکس بھی دیے ہیں۔ ایسے طنزیہ جملے ان کے شدید ہنری و قلبی رو عمل کا اظہار ہیں۔ دل کی بھڑاس انہوں نے اپنے قریبی دوستوں کو خط لکھ کر نکالی ہے۔ ظاہری طور پر وہ اس اصول پر کاربنڈر ہے کہ مقابلہ بھیشہ برابر سے ہوتا ہے، نیچے اتر کر نہیں۔ ۲۹ خال صاحب نے اپنے آپ کو خودداری اور کسی حد تک "علیٰ غرور" کی اُس منزل پر فائز کر دیا تھا کہ وہ بہت کم لوگوں کے علمی و حقیقی کام سے مطمئن تھے۔ "میرے لمحے میں وہ قلم کا ہو یا زبان کا، تکوار کی دھار ہے۔ وہ لوچ نہیں جو منافق آدمی کی بات میں ہوتا ہے۔" ۳۰

"نو رانی صاحب کی تحریر پڑھ کر کیا کروں گا۔ مرحوم کا میرے ساتھ ہیں برس سے زیادہ ہے۔ بہت ضعیف اور زدایت ہیں۔" ۳۱ بحث و تجھیں میں وہ اپنے اسلوب کا اظہار کرتے ہیں کہ "علمی بحث میں واقف کاروں کی تحریروں سے بحث کی جاتی ہے، عطا یہوں کی تحریروں سے نہیں۔" ۳۲ مرحوم بزرگوں کی تحریروں سے وہ استفادے کے قائل تھے، مگر آداب تحقیق کے تحت۔ ۳۳ تحقیق کے میدان میں معاصرین کے علاوہ مرحومین بھی ان کی قلم کی کاٹ سے محفوظ نہ تھے۔ اس حوالے سے وہ اپنے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "مجھے قاضی عبدالودود صاحب کا یہ قول بھیسا یاد رہتا ہے کہ مُردوں کا حق ہم پر زندوں سے زیادہ نہیں۔ راوی مرحوم ہو یا زندہ، ایک ہی طریقی کا راجعتیار کیا جائے گا قبول روایت میں۔" ۳۴

ڈاکٹر گیان چند کے ساتھ رشید حسن خال کے دیرینہ مراسم تھے، ان کے ایک مسودے پر بے لائگ رائے کا اظہار ان کی "کافر طبیعت" ۳۵ کا اظہار ہے: "بات یہ ہے کہ ادبی و فقار اور عام شہرت، دونوں کے لحاظ سے آپ اس مرتبے پر فائز ہیں کہ اب یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہر طرح کی ہلکی اور گہری، معمولی اور عمدہ، ناقابل الفات اور بے حد قابل الفات تحریریں یکساں طور پر آپ سے منسوب ہوتی رہیں۔" ۳۶ یہ بھی ضروری نہیں کہ تحقیقین یا علماء کا ہر لفظ درج رجسٹر ہونے کے قابل ہو۔ مجھے یہ محسوس

ہوتا ہے کہ آپ اپنی ہر تحریر لازماً شائع کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات میری رائے میں نظر ہائی کی محتاج ہے۔ ۲۷۳ ایک صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں "انھیں صاحب کتاب بننے کا "ہوگا" ہو گیا ہے یا یوں کہیے کہ لکھنے کا ہیضہ ہوا ہے۔" ۲۷۸ عبادت بریلوی صاحب کا شمارنصول ٹگاروں میں کیا جاتا ہے۔ ۲۷۹ اللہ آباد، یوں بھی اب پڑھ ملکے لوگوں سے خالی ہو گیا ہے۔ ۲۸۰ یعنی تصنیف و تایف، تحقیق و تدوین میں مقدار کے بجائے کیفیت (Quality) کو بخوبی رکھنا تحقیق کو زیادہ دریز نہ رکھ سکتا ہے۔ اس حوالے سے وہ قاضی عبدالودود کے بیرون کار تھے:

"جنسوں (قاضی عبدالودود) نے اردو تحقیق کو مطلق انداز اور تحقیق کی زبان سائنسیک بنیاد پر تحقیق کی اسی زبان جس میں ایک لفظ بھی زاید نہ آجائے۔ ان کے ہاں ریاضی کا سا انداز ہے۔" ۲۸۱

تحقیق و تدوین متن کے میدان میں رشید سن خال اتنے کھرسے اور زاہد شک تھے کہ لگتا ہے دوستی، مصلحت اور رعایت کا کوئی خاشرہ ہی ان کے ذہن میں نہ تھا۔ انھیں خود اس کا احساس تھا۔ گیان چند جیمن کو لکھتے ہیں: "جیمن صاحب! میں نے حق گوئی کی بہت قیمت ادا کی ہے اور کر رہا ہوں۔" ۲۸۲ کام میں لگن کا یہ عالم ہے کہ رام پور رضا لاہوری میں گئے۔ ان کے جانے والوں کو پتا چلا کچھ لوگ ملنے کے لیے آگئے۔ خال صاحب نے ملاقاتیوں سے یوں پرہیز کی۔ جیسے کوئی حرام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، لکھتے ہیں:

"یہاں غائبان قدر دانوں کی ایک بڑی تعداد نکل آئی، جن میں بوڑھے بھی ہیں اور نوجوان بھی، اس خیال سے کہ ملاقات میں وقت بہت جاہ ہو گا۔ کسی سے نہیں ملا ہوں۔ بل کہ لاہوری میں کہہ دیا ہے کہ کوئی صاحب پوچھیں تو کہہ دیا جائے کہ موجود نہیں ہیں۔" ۲۸۳

ڈاکٹر مس بدالیونی کی کتاب کی تحسین فرمائی تھی کہ تحقیق کے دوران میں قلم کو بے قابو نہ ہونے دیں اور جذبات کو جذبہ باتیت کا مراد فرمائیں۔ کتاب کا مولوں پر اثر پڑا کرتا ہے۔ ۲۸۴ اسی طرح دیوان غالب کے مؤلف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"وہ تو ادبی شرم و حیا سے بیگانہ محض ہیں، کیوں کہ ہوس نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اس لیے وہ کیا شرمائیں گے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنسوں نے زبان و ادب کو مالی تجارت کا درجہ دے رکھا ہے اور اس تجارت میں وہ کامیاب ہیں۔ رہی علمی نیک ہائی کی بات، سواؤں کی ان کو ضرورت نہیں۔" ۲۸۵

مزید لکھتے ہیں:

"اب وہ ڈینیاداروں میں تو بہت کام یا بہت کام کی وجہ یہ ہے کہ اس کامیابی کے لیے علم کی نہیں منافقت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی کمی نہیں لیکن خالص علمی سطح پر ان کا شمار ملتغ زدہ جنسوں میں کیا جاتا ہے۔" ۲۸۶ خال صاحب کے اسلوب تحریر سے سادگی، نفاست اور سچائی پُتھی ہے۔ اپنے اسلوب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"ادبی تحقیق اور تدوین اب میرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ میں اس تنقید کا قطعاً قائل نہیں، جس میں

انشائیہ نگاری کا انداز ہوا دردہ اسلوب ہو، جو منافق کی خن آرائی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح میں اس تحقیق کو فکر شاعرانہ کا پدل سمجھتا ہوں، جس میں صاف گوئی کے بجائے لیپٹے پوتے کا انداز ہو، چوں کہ حالات نے اب پیشتر افراد کو دنیا داروں کے پھیر میں جتنا کر رکھا ہے، اس لیے تحقیق کا یہ سادہ و صاف اندازان کو پسند نہیں آتا اور اس کے لیے ان حضرات نے "متقی انداز نظر" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ جمود کو جھوٹ کہیں اور دلوں ک انداز میں رائے ظاہر کریں وہ تو متقی انداز والے ہوئے اور جو لوگ ادب کے نام پر تجارت اور جہالت کو فروغ دیں وہ ثابت انداز نظر والے ہوئے۔ آپ چور کو چور کہیں تو وہ بہت داویلا مچائے گا۔ یہی حال ان تاجر ان ادب کا ہے۔ میں صاف، واضح اور دلوں ک انداز میں بات کہنا چاہتا ہوں اور اس سے مجھے مطلق دلچسپی نہیں کر لوگ اسے ثبت سمجھیں گے یا منقی، ایسی فضول اصطلاحوں سے میں بہت دور رہنا چاہتا ہوں۔" ۲۷

اپنے خطوط میں رشید حسن خاں کبھی کبھی عمر رفتہ کو آواز دیتے ہیں، جس سے انداز ہوتا ہے کہ تحقیق کے خلک ذہن میں کبھی کبھی جذبات بھی مچلتے ہیں۔ بریلی اور بدایوں کی بادوں کے حوالے سے لکھتے ہیں: "جب کبھی نینی تال روڈ کے شروع ہی میں واقع دکان سے بدایوں کے پیڑے لے کر کھائیں تو مجھے یاد کر لیا کیجیے گا۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں نے اس دکان سے بارہ پیڑے خریدے ہیں، مگر یہ قصہ ہے، جب کا کہ آتش جوان تھا۔" ۲۸

ہاکی، فٹ بال کے کھیل خاں صاحب کی خصوصی دلچسپی کے میدان تھے، جب کبھی دہلی میں بیچ ہو، خاں صاحب اپنی تمام مصروفیات کو ایک طرف رکھ دیتے اور اکثر اوقات سینڈیم پانچ جاتے۔ لکھتے ہیں: "آن کل یہاں جونیز نیشنل ہاکی چیمپیون شپ ہو رہی ہے۔ میرا آدھا وقت اس کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب ہاتھ میں جنبش نہیں، مگر آنکھوں میں تو دم ہے۔" ۲۹ جولاں کو فائنل ہو گا۔ اس وقت تک میری شامیں بہت اچھی گزریں گی۔

تحقیق میں کمرے اور کھوٹے کو واضح کرنے میں وہ کسی سے رعایت نہیں بر تھے تھے لیکن عام انسانی زندگی میں اُن کا

روپہ قدرے مختلف تھا:

"علمی معاملات میں ضرور اُس منافقانہ روشن کا قائل نہیں، جسے خوش اخلاقی کہا جاتا ہے لیکن ویسے اخلاقی طالبوں کو مانتا ہوں اور اپنے چھوٹوں سے تو کسی طرح کی بداخلانی کرنا بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔" ۳۰

کبھی حسرت سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

"میاں ہم لوگ اُس فصل کی آخری بہار ہیں، جو دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔ دیے بہار کا موسم باہر بار آئے گا۔" ۳۱
اپنے ایک قریبی دوست سے تعلق کا اظہار یوں کرتے ہیں: "ہاں صاحب! آپ سے ملاقات کا تو امکان ہے نہیں، یوں غالب کے لفظوں میں جنت نگاہ تو ملنے سے رہی؛ مگر فون کے واسطے سے فردوںی گوش کا لطف حاصل ہو جایا کرتا تھا؛ اب کتنے بخت سے وہ بھی حاصل نہیں، خیر باشد! آنکھیں آپ کی تحریر کی مشاقی ہیں اور کان آپ کی آواز کے منتظر۔" ۳۲
خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم متون کی تدوین میں الْجَهَا ہوا کسی حق کا ذہن ہنکلی پھکلی تحریریں پڑھنے کی طرف مائل نہیں

ہوتا، لیکن خال صاحب کا معاملہ برس ہے۔ کھیل کی دلچسپیوں کے علاوہ فلشن بھی باقاعدگی سے پڑھتے تھے: ”فلشن سے مجھے وہ تازگی خیال ملتی ہے، جو تحقیق کی صبر آزمائی کو خوش گوار بناتی رہتی ہے۔“ ۲۵

ایک بے تکلف دوست کو تحریر کرتے ہیں:

”مجھے آپ کا فیصلہ ہر صورت میں منظور ہوگا۔ سر تسلیم فرم ہے، جو مزاد یار میں آئے۔“ ۲۶

”اگر آپ کے اصرار بے حد کی تکوار سے سر پر نہ لٹکتی ہوتی تو یہ کام ہونیں سکتا تھا۔“ ۲۷

رشید حسن خال کی شرمندی کا تجھے ہی لیکن ان کے مکاتیب بھی خال، احوال اور رکی خیر و عاقبت کے بجائے اماں، افت، سائل لسانیات، تدوین، تحقیق اور قواعد زبان جیسے موضوعات کو محیط ہیں۔ ان کی مراسلت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مکتب لئا کی طرح مکتب اہم بھی علمی و ادبی مرتبے پر فائز ہیں، جن کے ساتھ وہ دوستی و مودت کے رشتہ لازوال میں نشک تھے۔ اس تعلق کی وجہ باہم دلچسپی کے متعدد موضوعات تھے۔ رشید حسن خال کے خلطوط مرتبہ تھی۔ آرجنیا میں ۵۹ مشاہیر کے زائد ۶۰۰ سے زائد خطوط میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ مزاد، بے تکلفی کے رنگوں کی بھی جملک موجود ہے۔ رشید حسن خال اپنی عمر کے آخری حصے میں اقبالیات کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ اقبالیات کی جانب ان کی رغبت کا باعث ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی محبت اور دوستی تھی۔ ہاشمی صاحب کے ساتھ ان کا گھر اعلیٰ تھا۔ جس کا ثبوت موصوف کے پچاس مکاتیب ہیں، جنہیں الگ سے ڈاکٹر ارشد محمد ناشاد نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر ناشاد کے مطابق:

”رشید حسن خال ایک دوبار جب پاکستان آئے، تب تدوینوں کے درمیان ملقاتوں کا سلسلہ بھی رہا، جن سے سلسلہ دوستی مزید مضبوط ہوا۔ رشید حسن خال انھیں اپنا بیداری و مرشد کہا کرتے تھے اور ان کی رائے کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ اسی طرح رفیع الدین ہاشمی بھی اُن کی علمی و ادبی خدمات کے ہمیشہ مترکر رہے اور ان کی تحریروں سے کہب فیض کرتے رہے۔ ہاشمی صاحب کی خواہش کے احراام میں رشید حسن خال نے لفظیات اقبال اور تدوین کلام اقبال جیسے اہم منصوبوں پر کام کا آغاز کیا تھا، مگر درست اجل نے انھیں مہلکہ کارندی۔“ ۲۸

رشید حسن خال کے خلطوط (مرتبہ۔ آر۔ رن) میں ہاشمی صاحب کے نام لکھے گئے۔ اخطبوط بھی شامل ہیں، جن میں کلام اقبال کی تدوین نو کے حوالے سے جزئیات بکر زیر بحث آئی ہیں۔ اس کے علاوہ خال صاحب کا ایک وقیع مضمون، ہاشمی صاحب کی کتاب اقبالیات: تفہیم و تجویر میں کلام اقبال کی تدوین کے عنوان سے شامل ہے۔

رشید حسن خال اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اقبالیات کے اس تشكہ کام کی تحریر بھی اشتراک و تعاون سے کرنا چاہتے تھے۔ خال صاحب کے نزدیک، اقبال کی اردو اور فارسی شاعری کا ایسا کوئی مجموعہ اب تک مرتب نہیں ہو سکا، جسے اصول تدوین کے لحاظ سے تحقیقی ایڈیشن کہا جاسکے۔ شاعر شرق کے کلام کا معیاری ایڈیشن مرتب نہ کیا جانا۔ جس قدر حرمت ناک ہے، اس سے کہیں زیادہ انہوں ناک ہے۔ ۲۹

خال صاحب کے خلطوط سے واضح ہوتا ہے کہ اس اہم علمی کام کا خاکہ مرتب کر دیا گیا تھا۔ ہاشمی صاحب اس کام میں

ان کے شریک کا رہتے۔ افسوس کے خاں صاحب کی موت کے ساتھ ہی یہ منصوبہ بھی قتل کا شکار ہو گیا ہے۔ ورنہ اردو کے کامیک سرمائے کو جس طرح خاں صاحب نے اپنی علمی لیاقت اور کمالات سے بازروت ہنایا تھا۔ اس طرح جہاں اقبالیات بھی کچھ نئے رنگوں سے عکس ریزن ہوتی لیکن نوہنہ تقدیر کو کون نال سکتا ہے؟

رشید حسن خاں کوڈاکٹر گیان چند جی بن نے "خدائے تدوین" کہا ہے۔ ۵۸ املا اور جملوں کی ساخت کے حوالے سے رشید حسن خاں ایک نئی فکر کے داعی ہیں۔ ان کے نزدیک مرکب لفظ جو دو یادو سے زیادہ لفظوں سے مل کر بنے ہوں، مل کر نہ کسکے جائیں، بل کہ الگ الگ کسکے جائیں۔ اس طرح انگریزی یا یورپی لفظوں کو بھی گڑیوں میں تقسیم کر کے لکھا جائے تو املا، لفظ کی صحت اور لکھنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ اس حوالے سے رشید حسن خاں نے اردو املا، اردو کیسے لکھیں؟، انش و تلفظ جیسی کتب تحریر کر کے علائے املا و تحقیق کے لیے جہاں کئی نئے افون روشن کر دیے ہیں وہاں انھیں شدید تحدید کا سامنا بھی رہا ہے۔ ہندوستان کے چوٹی کے علائے املا ڈاکٹر گیان چند جی بن، ڈاکٹر عبدالستار صدقی، عبدالرحمٰن واصف اور شمس الرحمن فاروقی نے خاں صاحب کے املا سے اختلاف کیا ہے۔ رشید حسن خاں نے بعض عربی الفاظ: مصطفیٰ، عقبیٰ، عیسیٰ اور کبریٰ جیسے الفاظ کا املا بدل کر مصطفیٰ، عقباً، عیساً، کبراً لکھنے پر زور دیا ہے۔ قرآنی املا کی تبدیلی کے اس نقطے نظر کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ سہولت اور آسانی کے لیے ایک باریہ اگر تبدیلی املا کا دروازہ کھل گیا تو پھر اس کی کوئی حد نہیں رہتی۔ فاضل مرتب نے خطوط کی محض جمع آوری ہی کو کافی سمجھا۔ یکڑوں مقامات تجھشیے اور حوالوں کے مقاضی ہیں، جن کے بغیر متن کی تفصیم میں مشکلات در آئی ہیں۔ فاضل مرتب نے بعض بہت ذاتی نوعیت کے خطوط بھی شامل کر دیے ہیں، جن میں اخلاقیات سے گرے ہوئے کئی الفاظ، جملے ہیں (ص ۲۷۳، ۲۷۴، ص ۱۲۲) اگر اس مجموعے کا حصہ نہ بننے تو خاں صاحب کے معتقدین کے لیے بہتر ہوتا۔ البته فاضل مرتب نے ۱۱۶ صفحات پر پھیلا ہوا جامع اور بسیط مقدمہ تحریر کیا ہے، جو تحسین کے قابل ہے۔ ۱۰۵۶ صفحات پر مشتمل خطوط کا یہ مجموعہ (قیمت ۳۵۳ روپے) ڈاکٹر تیرتھ رام رینا نے ۲۰۱۱ء میں جموں سے شائع کیا ہے۔ پابندیل ہے:

F-237, Lower Hari Singh Nagar, Rehari Colony, Jammu - 180005,

Mob No-09419828542



حوالہ جات:

- ۱۔ رشید حسن خاں کی خطوط، ص ۱۱۲
- ۲۔ ایضاً، ص ۹۹
- ۳۔ ایضاً، ص ۲۷۷
- ۴۔ ایضاً، ص ۵۳۱
- ۵۔ ہماری زبان، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، کیم ۲۸۲، رب ۲۰۰۶ء، ص ۲۲
- ۶۔ اردو میں اصول تحقیق، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، جلد اول، مقتدرہ قوی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶

- ۲۲۔ هماری زبان، ج ۲۲ ص ۷۲۷
- ۲۳۔ ص ۳۳۵
- ۲۴۔ هماری زبان، ج ۲۲ ص ۳۳۸
- ۲۵۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۲۰۸ ص ۲۲۷
- ۲۶۔ اپنا، ج ۹۹۷ ص ۲۶۱
- ۲۷۔ اپنا، ج ۲۰۲ ص ۲۷۱
- ۲۸۔ اپنا، ج ۲۰۲ ص ۲۷۰
- ۲۹۔ بازیافت، «تخاری یونیورسٹی اور میل کالج، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۶۵
- ۳۰۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۲۰۲ ص ۶۲۰
- ۳۱۔ اپنا، ج ۵۸۲ ص ۶۵۵
- ۳۲۔ اپنا، ج ۵۸۲ ص ۵۷۲
- ۳۳۔ اپنا، ج ۶۱۱ ص ۵۸۷
- ۳۴۔ اپنا، ج ۶۳۱ ص ۶۳۰
- ۳۵۔ اپنا، ج ۶۵۳ ص ۶۹۶
- ۳۶۔ اپنا، ج ۶۵۷ ص ۷۸۳
- ۳۷۔ اپنا، ج ۷۸۲ ص ۷۰۲
- ۳۸۔ اپنا، ج ۷۸۲ ص ۷۰۲
- ۳۹۔ اپنا، ج ۳۰۲ ص ۲۲
- ۴۰۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۲۶۷ ص ۵۶۷
- ۴۱۔ اپنا، ج ۲۵۳ ص ۳۰۵
- ۴۲۔ رشید حسن خان: حیات و خدمات، کتاب ناخصوصی شارہ، مکتبہ جامعہ ننی دہلی، ج ۱۲، ۱۳
- ۴۳۔ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۱۵۲ ص ۱۵۲
- ۴۴۔ اپنا، ج ۵۹۵ ص ۴۳۵
- ۴۵۔ اپنا، ج ۳۸۰ ص ۹۶۵
- ۴۶۔ مکالیب رشید حسن خان بنام رفع الدین هاشمی، عرض مرتب، ج ۱۳
- ۴۷۔ کلام اقبال کی تدوین، مشمول، اقبالیات: تفسیر و تجزیہ، ج ۲۸۷
- ۴۸۔ مقدمہ رشید حسن خان کے خطوط، ج ۱۷

